37

قومی زندگی نوجوانوں سے وابستہ ہوتی ہے اِس لئے انہیں اپنے فرائض منصبی اورقومی ذمہ واریوں کوادا کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے

(فرمودہ 21 نومبر 1952ء بمقام ربوہ)

تشہّد ،تعوّ ذ اورسورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں پچھلے دو جمعے نہیں پڑھا سکا۔ اوراس کی وجہ پہلے تو یہ ہوئی کہ میرے پاؤں میں درد کا شدید دورہ ہوجا تا رہا اورآخری ایام میں دوبارہ بخار شروع ہوگیا۔ پہلے تو یہ ہوتا رہا کہ چھ سات ماہ یا سال کے بعد درد کا سخت دورہ ہوگیا، پندرہ بیس دن رہا اور پھر آرام آ گیا۔ لیکن اس سال پچھلے تین چار ماہ سے (شاید یہ موسم کے تغیر کا نتیجہ ہے یا مرض نے پلٹا کھایا ہے) اصل مرض قائم رہتا ہے اور بجائے اِس کے کہ سال میں یا چھ سات ماہ میں ایک دفعہ دورہ ہو ایک دن دورہ ہو جاتا ہے اور دوسرے دن تخفیف ہو جاتی ہے یا تین چار دن دورہ رہتا ہے اور تین چار دن آرام رہتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات دورہ متواتر گھنٹوں میں بدلتا ہے اور بعض اوقات ہفتہ کے ایام میں بدلتا ہے۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ درد کا دورہ اتنا شدید نہیں ہوتا کہ میں چارپائی پر لیٹنے پر مجبور ہو جاؤں۔ لیکن اِس قدر ضرور ہوتا ہے کہ مجھ سے زیادہ چلا نہیں جاتا۔ خصوصاً سیڑھیاں اُترنے میں تکلیف ہوتی ہے اوراس طرح نماز کے لئے مسجد میں نہیں آ سکتا۔ اِسی طرح پچھلے تین مہینوں

میں متواتر بخار چلتا رہا۔ ڈاکٹروں نے جیسا کہ اُن کی عادت ہوتی ہے اسے ملیریا قرار دیا ہے۔ چنانچہ میں نے کونین کھائی، اٹبرین کھائی، پلیوڈرین کھائی، پلازما کونین کھائی۔ لیکن کسی دوا سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ چونکہ بخار ہلکا رہتا تھا اور متواتر رہتا تھا شروع میں چودہ چودہ پندرہ پندرہ یا سولہ سولہ گھنٹے متواتر بخار رہتا تھا اور سل دق میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ بخار ہر روز چڑھتا ہے اور شروع میں ہلکا بخار رہتا ہے۔ اس لئے گو ڈاکٹروں نے تو یہ کہا کہ سینہ صاف ہے اس میں کوئی تکلیف نہیں لیکن میں نے خود یہ خیال کیا کہ شاید سل کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ چنانچہ میں نے تریاقِ سل کھانا شروع کیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کے استعمال سے بخار اترنا شروع ہو گیا اور پھر پندرہ بیس دن تک بخار نہ ہوا چار پانچ دن ہوئے میں نماز کے لئے مسجد میں آ گیا تو گھر جانے پر جسم میں تکان محسوس ہوئی اور میں نے خیال کیا کہ شاید بخار دوبارہ ہو گیا ہے۔ میں نے سمجھا کہ ایک عرصہ کے بعد میں نماز کے لئے مسجد میں چلا گیا ہوں۔ لیکن دوسرے دن بخار زیادہ ہو گیا۔ میں نے پھر تریاقِ سل کا استعمال کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرسوں میں نے ''تریاقِ سل'' کھائی اور کل بخار کم ہو گیا۔ اسی طرح بخار کا وقت بھی کم ہو گیا۔ پہلے جب بخار ہوا تھا تو صبح آٹھ نو بجے بخار ہو جاتا تھا۔ بلکہ کبھی اس سے بھی پہلے بخار ہو جاتا تھا اور رات کو دس گیارہ بجے کے درمیان اُترتا تھا اس طرح پندرہ سولہ گھنٹے متواتر بخار رہتا تھا۔ بہرحال اس مجبوری کی وجہ سے میں اندر بیٹھ کر کرنے والے کام تو کر لیتا ہوں مگر یہ بیماری ایسی ہے کہ اس میں حرکت کرنا مُضِر ہوتا ہے اور اسے میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں مسجد میں نماز کے لئے نہیں آ سکتا کیونکہ اب اس کے لئے سیڑھیاں اترنا پڑتی ہیں۔ مرض کے متعلق ابھی تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ سینہ صاف ہے لیکن سینہ کے علاوہ سِل کا مادہ بعض دوسرے اعضاء پر بھی حملہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ سِل کا اثر گلا پر بھی ہوتا ہے، انتڑیوں میں بھی سِل ہوتی ہے۔ گلا پر اس کا اثر زیادہ نمایاں ہوتا ہے یعنی گلا بالکل بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن میرا گلا ٹھیک ہے، اس میں کوئی تکلیف نہیں۔ ہاں انتڑیوں میں اس کا اثر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مجھے اجابت کم ہوتی ہے۔ جلاب لیتا ہوں تو اجابت ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ بہرحال اس بیماری کے اثر کے نیچے اور کچھ اس خوف کی وجہ سے کہ یہ مرض بڑھ نہ جائے میں مسجد میں نہیں آ سکا۔ کیونکہ پہلے تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ حرکت کرنا مُضر ہے اور چونکہ خطرہ ہوتا ہے کہ مرض بڑھ نہ جائے اس لئے ہمت ہو بھی تو میں احتیاط کرتا ہوں مگر گھر میں بیٹھ کر جو کام کر سکتا ہوں

وہ کرتا ہوں۔ آج کل تفسیر بھی لکھ رہا ہوں، خطوط کا جواب بھی دیتا ہوں، ملاقات بھی کرتا ہوں اور دوسرے دفتری کام بھی کرتا ہوں۔

اب میں نوجوانوں کو خطاب کر کے انہیں اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے فرائضِ منصبی اور قومی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کی طرف توجہ کریں۔ ان کے ماں باپ بھی اس وقت میرے مخاطب ہیں۔ قومی زندگی نوجوانوں کی ترقی کے ساتھ وابستہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس وقت احرار کا فتنہ 1934ء میں شروع ہوا تھا اُس وقت نہ معلوم کیا حالات تھے جن کی وجہ سے جماعت میں اتنی بیداری پیدا ہوئی کہ سینکڑوں نوجوانوں نے زندگیاں وقف کیں اور پھر ایسے حالات میں اپنی زندگیاں وقف کیں جو آج کل کے حالات سے بالکل مختلف تھے۔ آج کل تو واقفین کے گزارے ایک حد تک معقول ہیں لیکن اُس وقت جو گزارے دیئے جاتے تھے وہ بہت قلیل تھے لیکن اس کے باوجود سینکڑوں نوجوانوں نے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ اَب جو نوجوان باہر جاتے ہیں انہیں علاوہ مکان اور دوسرے ضروری اخراجات کے گیارہ پاؤنڈ ماہوار دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ پونڈ کے علاقوں میں گیارہ پونڈ بھی بہت کم ہیں مگر پھر بھی مبلغ کو مکان کے اخراجات، پانی کے اخراجات، بجلی کے اخراجات وغیرہ علاوہ مل جاتے ہیں۔ لیکن اُس وقت ہم انہیں اس سے بھی کم اخراجات دیتے تھے اور بعض اوقات تو کچھ بھی نہیں دیتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ جاؤ اور کام کرو۔ بعض اوقات چھ سات پونڈ دے دیتے تھے اور کہتے تھے اسی رقم سے مکان، پانی، خوراک اور بجلی وغیرہ کا انتظام کرو۔ لیکن اِس زمانہ میں جب احمدیت کے خلاف پہلے سے بھی زیادہ شدید مخالفت اٹھی اور احمدیت سے محبت رکھنے والوں کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب دین کی حالت نہایت نازک ہے مجھے جماعت کے نوجوانوں میں وہ بیداری نظر نہیں آئی جو پہلے ان میں پیدا ہوئی تھی۔ احرار کے پہلے فتنہ کے وقت تو یہ حالت تھی کہ اسے دیکھ کر سینکڑوں نوجوانوں نے زندگیاں وقف کر دیں۔ لیکن شورش کے وقت میں مَیں دیکھتا ہوں کہ سینکڑوں نوجوانوں کا زندگیاں وقف کرنا تو ایک طرف رہا درجنوں نوجوانوں نے بھی زندگیاں وقف نہیں کیں۔ بلکہ ہفتہ دو ہفتہ میں ایک آدھ درخواست ایسی آ جاتی ہے کہ مجھے وقف سے فارغ کر دیا جائے کیونکہ میں تکالیف کو برداشت نہیں کرسکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے حالات میں ایسے شخص کا ایمان کوئی ایمان نہیں۔ اِس وقت اس کے لئے دو ہی راستے کھلے ہیں۔ یا تو اپنی جان کی قربانی

دے کر دین کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا اور یا مرتد ہو جانا۔ دشمن اُسے اِس سے ورے نہیں چھوڑتا۔ دشمن اِس دنیا میں اُسے ان دو چیزوں میں سے ایک چیز ضرور دے گا یا تو وہ اُسے مرتد کر دے گا اور یا اُسے موت دے گا۔ اور جب ارتداد اور موت ایک طرف ہوں تو مال اور جان کی قیمت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ چلو جہاں دین سلامت رہتا ہے وہیں چلو میں اپنی جان کی قربانی دے دیتا ہوں۔

دنیوی جنگوں کے موقع پر لاکھوں لاکھ لوگ اپنی جانیں پیش کر دیتے ہیں۔ پچھلی جنگِ عظیم میں 60 لاکھ انگریز جنگ میں شامل ہوئے اور 70، 80 لاکھ کے قریب جرمن تھے جنہوں نے جنگ کے لئے اپنی زندگیاں پیش کیں۔ ان کی جانیں بھی ہماری جانوں کی طرح تھیں۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ہمارا ملک اور ہماری قوم خطرہ میں ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنی زندگیاں ملک اور قوم کی خاطر پیش کر دیں تو انہوں نے اپنی جانیں پیش کر دیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُس میں ایک حد تک کنسکرپشن (CONSCRIPTION) بھی تھی یعنی جبری بھرتی۔ لیکن اگر 60 لاکھ انگریزوں میں سے 40 لاکھ ایسے نکل آئیں جو جبراً بھرتی کر لئے گئے تھے تب بھی 20 لاکھ نوجوان ایسے تھے جنہوں نے ملک وقوم کی خاطر اپنی جانیں خوشی سے قربان کیں اور یہ ایک بڑی تعداد ہے۔ اگر ایک کروڑ امریکنوں میں سے جنہوں نے جنگ میں شمولیت کی 2/3 ایسے لوگ نکال دیئے جائیں جو جبراً بھرتی کر لئے گئے تو 33 لاکھ ایسے آدمی رہ جاتے ہیں جنہوں نے بطور والنٹیئر اپنی جانیں پیش کیں۔ اسی طرح اگر 70 لاکھ جرمنوں میں سے 40 لاکھ ایسے لوگ ہوں جنہیں حکومت نے جبراً بھرتی کر لیا ہو تو پھر بھی ملک کی خاطر قربانی دینے والے 30 لاکھ باقی رہ جاتے ہیں۔

بہرحال جب خطرہ کا وقت ہوتا ہے تو ملک اور قوم کی خاطر جان دینے والے بڑی تعداد میں آگے آ جاتے ہیں۔ اب کُجا یہ لوگ کہ وہ اپنے ملک اور قوم کی خاطر قربانیاں دیتے ہیں اور کُجا ہم جو ایک متمدن ملک میں رہتے ہیں۔ یہاں کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ چند احراریوں نے حملہ کر دیا، لٹھ چلا دی یا مکان لُوٹ لیا لیکن ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔ آخر لاکھوں کی جماعت میں کتنے ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ قریباً ایک درجن ایسے واقعات ہوں گے کہ احمدیوں کے مکانوں اور دُکانوں کو لوٹ لیا گیا ہو، انہیں گھروں سے نکال دیا گیا ہو۔ اور ایسی حرکات چور چکار کرتے ہی

ہیں۔مگر جن بے امن ملکوں میں ایسا ہوتا ہے وہاں پبلک طور پر یہ ہوتا ہے کہ فلاں کو ماردو، فلاں کو پھانسی دے دو۔ ہم تو ایک متمدن ملک میں رہ رہے ہیں۔جس کے وزراء اور افسر چاہے ان میں سے بعض لوگ احرار کی پیٹھ ٹھونکتے ہوں دوسری حکومتوں کے رُعب کی وجہ سے یا نیک نامی حاصل کرنے کی خاطر یا اسلام کی محبت کی وجہ سے یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کسی کو مذہب کی وجہ سے قتل کیا جائے۔ پس جب ہمیں اتنی بڑی قربانیاں نہیں کرنی پڑتیں جو پہلوں کو کرنی پڑیں یا اب بھی بعض قومیں کر رہی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم قربانی کرنے میں پَس و پیش کریں۔ یہ یقیناً ہماری کمزوری کی علامت ہے۔ پھر جو لوگ قربانی پیش کرتے ہیں انہیں بھی دیکھتا ہوں کہ وہ بھی کمزوری دکھاتے ہیں۔انسان کو کم از کم کسی ایک طرف تو ہونا چاہیے۔انسان یا تو خدا تعالیٰ کا ہو رہے یا دنیا کا ہو رہے۔

ہمارے ہاں پنجابی میں کہاوت ہے کہ ''یا تُوں اُس دے لڑ لگ جا یا اِس دے لڑ لگ جا۔'' یہ ایک محاورہ ہے۔جس کے معنی ہیں کہ تُو کسی کے دامن سے وابستہ ہو جا۔کیونکہ دنیا میں عزت اُسی کی ہوتی ہے جو کسی کے دامن سے وابستگی رکھتا ہے۔ یا تو خدا تعالیٰ کے دامن سے وابستہ ہو جا اور یا دنیا کا دامن پکڑ لے۔ یہ نہیں کہ تُو کسی کے دامن سے بھی وابستہ نہ ہو۔

میں نے بارہا نوجوانوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنی تعلیم کی طرف توجہ کریں۔وہ ان باتوں کو نہ دیکھیں کہ فلاں قسم کی تعلیم حاصل کرنے سے انہیں فلاں محکمے میں ملازمت مل جائے گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں یہ خیال بھی نہیں کرنا چاہیے کہ انہیں کوئی ملازمت مل جائے گی۔کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس ملک کا بھی تمدن اعلیٰ ہے اُس کے کاریگر اور دوسرے پیشہ ور، ملازموں کی نسبت زیادہ مُرَفَّہُ الْحال [1] ہوتے ہیں۔آبادی کا بہت تھوڑا حصہ ملازموں کا ہوتا ہے زیادہ حصہ دوسرے لوگوں کا ہوتا ہے۔ایشیائیوں کی خواہش تو یہ ہے کہ وہ ترقی کریں لیکن جن ذرائع سے ترقی ہوتی ہے انہیں اختیار کرنے کی طرف ان کی توجہ نہیں۔

کوئی چیز بھی قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ادھر تو یہ شور مچایا جا رہا ہے کہ برطانیہ، امریکہ اور فرانس ساری دولت لے گئے ہیں اور ادھر اعمال وہ ہیں جو دولت کمانے والے نہیں۔ جب ایشیائی لوگ وہ اعمال نہیں کریں گے جو دولت دینے والے ہوں تو دولت آئے گی کس طرح۔ ملازم دولت کما نہیں رہا ہوتا وہ دولت کھا رہا ہوتا ہے۔مثلاً پولیس وغیرہ ہے وہ ملک کی

دولت کھا رہی ہوتی ہے دولت کما نہیں رہی ہوتی ۔ ملک کو دولت دینے والے اُس کے تاجر، پیشہ ور، کارخانہ دار، ایکسپورٹ امپورٹ کرنے والے، بینکوں والے، کمپنیوں والے، اور زمیندار وغیرہ ہوتے ہیں ۔نوکر دولت کھاتے ہیں لیکن ہمارے ملک میں دولت کھانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور دولت دینے والوں کی تعداد کھانے والوں کی نسبت بہت کم ہے۔ چنانچہ ہر زمیندار کا لڑکا جب جوان ہوتا ہے تو وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ تھانیدار بنے گا، وہ تحصیلدار بنے گا، یا جج بنے گا۔کوئی بھی ایسا نوجوان نہیں ہوگا جو یہ کہے کہ بجائے اِس کے کہ میں تھانیدار بنوں، تحصیلدار بنوں یا جج بنوں میں کما کر ملک کو کھلاؤں گا۔ پس ہمارا دنیوی حصہ بھی بہت کمزور نظر آتا ہے۔میرے نزدیک جتنے لوگوں کی حکومت کو ضرورت ہے اُن کے علاوہ دوسرے لوگوں کو خود آزاد پیشوں کے ذریعہ روزی کمانے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اِس سے ملک کو ترقی حاصل ہوگی۔ بے شک انہیں شروع میں نقصان بھی اٹھانا پڑے گا لیکن جتنے موجد دنیا میں گزرے ہیں اُن کے حالات پڑھ لو بعض لوگوں نے تو کئی سالوں کے فاقہ کے بعد ایجادیں کی ہیں۔

مشہور واقعہ ہے ۔جرمنی میں ایک نواب تھا۔اُسے خیال پیدا ہوا کہ لوہے یا تانبے کے برتنوں پر اگر کسی طرح چینی چڑھادی جائے تو اس سے بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔چنانچہ اُس نے تام چینی تیار کرنے کے متعلق تجربات کرنے شروع کئے۔وہ اپنی ساری جائیداد بیچ کر تام چینی تیار کرنے پر لگاتا رہا۔لیکن اپنی ساری جائیداد لگانے کے بعد بھی اُسے کام میں کامیابی نہ ہوئی۔لیکن جتنی کامیابی ہوئی وہ سمجھتا تھا کہ وہ اُتنا ہی اپنے مقصد کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔وہ غریب ہوگیا اور دوستوں اور رشتہ داروں نے اُس کی امداد کرنی شروع کر دی۔ چنانچہ وہ بھیک پر گزارہ کرتا تھا اور رات دن تام چینی تیار کرنے میں لگا رہتا تھا۔ایک دن اُس کے رشتہ داروں یا کسی دوست کے ہاں اُس کی دعوت تھی۔انہوں نے نہایت اصرار سے اُسے بلایا تھا۔لیکن اُس نے اپنی بیوی کو وہاں بھیج دیا اور خود دھونکنی چلانے میں مصروف رہا تاکہ تام چینی تیار ہو جائے۔آگ جلاتے جلاتے لکڑیاں ختم ہوگئیں۔اُس کے پاس پیسے نہیں تھے کہ وہ اَور لکڑیاں خرید لیتا۔ اس نے کرسیاں اور میز توڑ کر جلانے شروع کئے۔جب وہ آخری سامان جلا کر تام چینی تیار کرنے میں مصروف تھا تو اُس نے ایک روشنی دیکھی جس کے متعلق اُس کا یہ خیال تھا کہ وہ کامیابی کے وقت اُسے نظر آئے گی۔لیکن اِدھر اُس نے کامیابی دیکھی اور اُدھر لکڑیاں ختم ہوگئیں۔اُس کے پاس

ایک ہی کرسی باقی رہ گئی تھی جس پر وہ خود بیٹھا کرتا تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے کو جو اس کے ساتھ کام کر رہا تھا آواز دی کہ اس کرسی کو توڑ ڈال اور بھٹی میں ڈال دے تاکہ کام خراب نہ ہو۔ لڑکے نے ہچکچاہٹ ظاہر کی تو اُس نے اُسے خود توڑا اور بھٹی میں جھونک دیا۔ یہ آخری ایندھن جب وہ جلا رہا تھا تو اُسے وہ روشنی نظر آ گئی جو اُس کی کامیابی کا پیغام اُسے دے رہی تھی۔ وہ خوشی میں نیچے گر گیا اور اس نے اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا۔ اب تمہاری تکلیف کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ غرض یہ تمام چینی جس سے تمہارے کھانے کے برتن، پیشاب اور پاخانہ کے برتن بلکہ آگ پر چڑھانے والی کیتلیاں بھی اب تیار ہونے لگی ہیں تم نہیں جانتے کہ اُس مالدار شخص نے اپنی ساری جائیداد اِس کی تیاری میں تباہ کر دی تھی اور اب دنیا میں تمام چینی کے سینکڑوں کارخانے چل رہے ہیں۔ پس بغیر قربانی کے تم کامیابی کی امید کیسے کر سکتے ہو۔ کوئی جلسہ ہوا اور "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگا دیئے گئے تو اس سے پاکستان زندہ کیسے ہوا۔ جب عمل مُردہ باد والا ہے تو پاکستان زندہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پس ہمارے نوجوانوں کو محنت کی عادت پیدا کرنی چاہیے۔ مثلاً زمیندار ہیں۔ آج کل قحط کی وجہ سے وہ کتنا شور مچا رہے ہیں۔ مجھے بھی لوگ کہتے ہیں کہ کوئی ایسی تدبیر کیجئے یا ہمیں کوئی تجویز بتایئے جس پر عمل کر کے ہم اس قحط کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس قحط میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ کیا ہمارا زمیندار زمین میں اُسی طرح دانے ڈالتا ہے جس طرح دانے ڈالنے کی ضرورت ہے؟ کیا وہ اُسی طرح نلائی کرتا ہے جس طرح نلائی کرنے کی ضرورت ہے؟ کیا وہ اُسی طرح ہل چلاتا اور کھیت کو پانی دیتا ہے جس طرح ہل چلانے اور پانی دینے کی ضرورت ہے؟ کیا وہ دانے بے اصول نہیں ڈال دیتا؟ کیا جب وہ کھیت کو پانی دیتا ہے تو پانی اِدھر اُدھر تو نہیں نکل جاتا؟ کیا اُس کے کھیت میں اِس قدر گھاس پیدا تو نہیں ہو جاتا کہ اصل فصل نظر ہی نہ آئے؟ کیا جب وہ ہل چلاتا ہے تو اس طرح نہیں ہوتا کہ وہ ہاتھ میں حقّہ پکڑے ہوئے ہوتا ہے؟ بیل ٹھوکر کھاتا ہے اور ہل زمین سے اوپر اٹھ جاتا ہے اور بیچ میں کچھ جگہ خالی چھوٹ جاتی ہے۔ جہاں ہل نہیں چلا ہوتا یا ناقص ہل چلتا ہے؟ اگر وہ یہ ساری احتیاطیں کرتا تو آج ہمارے ملک میں دوگنی پیداوار ہوتی۔ اور اگر ہماری گندم کی پیداوار ڈبل ہوتی تو آج قحط کیوں پڑتا۔ لیکن ہوا یہ کہ آج گندم 22، 23 روپے فی من بِک رہی ہے اور اس میں زمیندار کا اپنا قصور ہے۔ اگر وہ ذرا سی بھی توجہ کرتا تو آج ملک میں قحط نہ ہوتا۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اڑھائی تین سومن فی ایکڑ گندم نکل سکتی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہا۔ ایک دفعہ میں نے قرآن کریم پر غور کر کے شاید یہ عدد نکالا تھا۔ اُن دنوں ایک پروفیسر اس بات میں لگے ہوئے تھے کہ زمین میں جو مادے ہیں ان کے لحاظ سے ہم فی ایکڑ کتنی پیداوار نکال سکتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ ملک میں زراعت سے بے توجہی پائی جاتی ہے۔ اگر ذرا سی کوشش کی جائے تو پیداوار کئی گنا زیادہ ہوسکتی ہے۔ وہ مجھے ملنے کے لئے آئے تو میں نے انہیں کہا قرآن کریم کی آیات پر غور کر کے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ فی ایکڑ تین سومن تک پیداوار کی جاسکتی ہے۔ وہ ہندو تھا لیکن میری یہ بات سن کر وہ دنگ رہ گیا اور اُس نے کہا ہماری نئی تحقیقات کے لحاظ سے بھی اندازہ دوسومن سے اوپر تک پہنچ گیا ہے۔ زمین میں جو کیمیکلز پائے جاتے ہیں انہیں اگر ہم پوری طرح استعمال میں لائیں تو اتنے من فی ایکڑ پیداوار ہوسکتی ہے۔ اب سارے ملک کی اوسط پانچ من فی ایکڑ ہے اگر یہ پیداوار دگنی ہوجائے اور اوسط پانچ من فی ایکڑ سے دس من فی ایکڑ ہوجائے تو کتنا فرق ہوجائے۔ اور اگر یہ پیداوار پانچ من فی ایکڑ سے اڑھائی سو یا تین سومن فی ایکڑ ہوجائے تو دنیا میں غلہ کی جو کمی بیان کی جاتی ہے وہ یقیناً دور ہوجائے۔ اِس وقت لوگ پانچ من فی ایکڑ پیداوار پر گزارہ کر رہے ہیں۔ اگر یہ پیداوار بڑھ کر اڑھائی سو یا تین سومن فی ایکڑ ہوجائے تو دنیا کی آبادی کئی گنا بڑھ سکتی ہے۔ اگر ہم صحیح طور پر زراعت کریں اور قرآنی تعلیم، سائنس اور تجربہ سے پورا فائدہ اٹھائیں اور غلہ بڑھائیں تو آبادی ایک کھرب بتیس ارب تک بڑھ سکتی ہے اور دنیا میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا ہوسکتا ہے۔ پھر کئی غیر آباد علاقے ہیں انہیں آباد کیا جائے تو پیداوار میں اَور بھی زیادتی ہوسکتی ہے۔ مثلاً افریقہ کے علاقے ہیں جو ابھی غیر آباد پڑے ہیں۔ آسٹریلیا اور کینیڈا کے علاقوں میں ابھی بہت کم آبادی ہے اگر اُن کی طرف توجہ کی جائے تو زمینداری بڑھ سکتی ہے۔ تم محنت کی عادت ڈالو۔ سؤر کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سیدھا چلتا جاتا ہے وہ سامنے کے خطرات کو نہیں دیکھتا۔ سؤر کا شکار کرنے والے نیزہ پکڑ کر رستہ پر بیٹھ جاتے ہیں سؤر سیدھا آتا ہے اور اس پر نیزہ گر جاتا ہے۔ لیکن چیتا، شیر اور دوسرے جنگلی جانور خطرہ دیکھ کر رستہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح مومن بھی خطرات کا خیال رکھتا ہے اور وہ سؤر کی طرح سیدھا نہیں چلتا جاتا۔ یہ عادت گندے جانور کی ہے کہ وہ سیدھا چلا جاتا ہے۔ پس سمجھدار نوجوانوں کا کام ہے کہ وہ اپنے ملک کے حالات اور

ماحول پر غور کریں اور دیکھیں کہ ملک اور قوم کی ترقی کے لئے کون سے ذرائع ہیں۔ اُن ذرائع کو استعمال کریں تا ملک ترقی کرے۔ ملک میں جو صنعتیں اور تجارتیں پہلے نہیں ان کی طرف توجہ دی جائے۔ اگر نوجوان اس طرف توجہ کریں تو بے شک ابتدا میں وہ تکلیف بھی اٹھائیں گے لیکن آخر میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے جو اُن کے خاندان اور ملک کے لئے مفید ہوں گے۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے انگریزوں اور امریکنوں میں ہزاروں ایسے آدمی ہوں گے جنہوں نے اپنی جائیدادوں کو تباہ کیا تا ملک کے لئے وہ کوئی مفید چیز ایجاد کریں۔ لیکن ہماری جماعت میں ایسا کوئی آدمی نہیں جس نے کسی ایسی ایجاد کی طرف توجہ کی ہو۔ اِس کے مقابلہ میں بعض اَن پڑھ آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جنہوں نے اِس بات کی طرف توجہ کی اور وہ کئی ایجادات لانے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک صاحب محمد حسین تھے جو دہلی کے رہنے والے تھے۔ پہلے وہ کانگرسی تھے اور گاندھی جی کے ساتھ ان کے تعلقات تھے۔ انہوں نے 24 کے قریب ایجادیں کی تھیں لیکن بدقسمتی کی وجہ سے ملک کے لوگوں کی اس طرف توجہ نہیں تھی اس لئے وہ ترقی نہ کر سکے۔ وہ ایجادیں کرتے تھے اور باوجود غریب ہونے کے ایجادیں کرتے تھے لیکن وہ جو ایجاد کرتے تھے تاجر اُس طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے جو ایجادات کیں اُن میں سے ایک ایجاد چرخہ کے ساتھ تعلق رکھتی تھی اور ان کا دعویٰ تھا کہ اگر ہماری جماعت مدد کرے تو وہ عظیم الشان کام کر سکتے ہیں۔ وہ گاندھی جی اور دوسرے کانگرسی لیڈروں کے خطوط بھی دکھاتے تھے جو اُن ایجادات کی تعریف میں انہوں نے لکھے تھے۔ وہ میرے پاس بھی آئے اور درخواست کی کہ میں جماعت میں تحریک کروں کہ اُن کی مدد کی جائے۔ لیکن میں نے کہا ہمارے نوجوان سخت ناواقف ہیں۔ انہوں نے صنعتی تجربات حاصل نہیں کئے کہ وہ آپ کی مدد کریں۔ چنانچہ وہ مایوس ہو کر چلے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ میں چھ سات سال کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ سیر کے لئے نکلے۔ آپ مسجد مبارک کے سامنے جو چوک ہے اس میں پہنچے تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ دوست حضور کی تصویر لینے کی خاطر یہاں آئے ہیں۔ یہ 1894ء یا 1895ء کی بات ہے۔ اُس زمانہ میں ابھی کیمرہ کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ اس شخص نے ایک

سٹینڈ کھڑا کیا اور اُس کے اوپر گتّے کی ایک چیز رکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فوٹو لی۔ جب آپ سیر کے لئے آگے تشریف لے گئے تو اُس شخص کے متعلق بات شروع ہوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا کہ وہ شخص مڈل تک تعلیم رکھتا ہے اور اس نے بڑی محنت کے ساتھ کیمرہ کی ایجاد کی ہے اور یہ کیمرہ جس سے آپ کی فوٹو لی گئی ہے اُس کا اپنا ایجاد کردہ ہے۔ اُس شخص نے ایجادات کے شوق میں روس تک کا سفر بھی کیا ہے اور متعدد ایجادیں کی ہیں۔ وہ دوست جلد ہی فوت ہو گئے کیونکہ اس کے بعد وہ دکھائی نہیں دیئے۔

پس محنت اور کوشش کے ساتھ ہی انسان انسان بنتا ہے۔ یا تو تم موجودہ حالتوں پر قائم رہ کر اپنی غلامی کے دور کو اَور لمبا کرو گے اور یا غلامی کے طوق کو اُتار کر سرداری کے تخت کو جیتو گے۔ یہ دونوں حالتیں تمہارے سامنے ہیں۔ یا تو تم کوشش نہیں کرو گے اور یہ خیال کرو گے کہ موجودہ حالت کو بدلنے کی ضرورت نہیں۔ اس حالت میں بھی روٹی مل جائے گی لیکن اس طرح تم غلامی کی حالت میں رہو گے۔ پاکستان کے آزاد ہو جانے سے تم آزاد نہیں ہو جاتے کیونکہ جو ملک صنعتی طور پر دستِ نگر ہو وہ پورا آزاد نہیں کہلا سکتا۔ اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لئے، اپنے ملک کو آزاد بنانے کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ اگر صنعتی اشیاء کے لئے ہم دوسرے ممالک کے محتاج رہے تو ہمیشہ یہ شکوہ رہے گا کہ فلاں ملک ہماری روئی نہیں لیتا، ہمارا زمیندار مر رہا ہے وہ ہمیں فوجی سامان نہیں دیتا جس کی وجہ سے ہماری فوج غیر مسلح ہے۔ یہ آزادی محدود آزادی ہے۔ آزادی اس چیز کا نام ہے کہ ہمارا ملک دوسرے ممالک کو چیلنج کر سکے کہ تم ہمارا مقاطعہ کرتے ہو تو کرو مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ توپیں یہاں بن رہی ہوں، ہوائی جہاز یہاں بن رہے ہوں، ریلوں کے انجن یہاں بن رہے ہوں، ٹریکٹر، لاریاں، موٹر اور دوسری چیزیں یہاں تیار کی جا رہی ہوں۔ یہ خیال کر لینا کہ روٹی تو ہر حالت میں ملتی ہے زیادہ کوشش کی کیا ضرورت ہے ہماری غلامی کو لمبا کرتا ہے۔ لیکن اگر ہم روٹی کو لات ماریں اور تجارتوں، ایجادوں، زراعتوں، اور صنعتوں میں لگ جائیں تو شاید کچھ عرصہ تک ہمیں تکلیف بھی ہو یا ہماری نسل بھی کچھ عرصہ تک تکلیف اٹھائے لیکن ایک وقت ایسا آئے گا جب ہم اپنے خاندان اور ملک کے لئے ایک مفید وجود بن سکیں گے اور ہماری ساری تکالیف رفع ہو جائیں گی۔

پس میں اپنے نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تعلیم محض اس لئے حاصل نہ کریں کہ اس

کے نتیجہ میں انہیں نوکریاں مل جائیں گی۔ نوکریاں قوم کو کھلانے کا موجب نہیں ہوتیں بلکہ نوکر ملک کی دولت کو کھاتے ہیں۔ اگر تم تجارتیں کرتے ہو، صنعتوں میں حصہ لیتے ہو، ایجادوں میں لگ جاتے ہو تو تم ملک کو کھلاتے ہو۔ اور یہ صاف بات ہے کہ کھلانے والا کھانے والے سے بہتر ہی ہوتا ہے۔ نوکریاں بے شک ضروری ہیں لیکن یہ نہیں کہ ہم سب نوکریوں کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم زیادہ سے زیادہ پیشے اختیار کریں تا کہ ملک کو ترقی حاصل ہو۔ اور کم سے کم ملازمتیں کریں صرف اُتنی جن کی ملک کو اشد ضرورت ہو۔''

(الفضل 14 دسمبر 1952ء)

1: **مُرَفَّهُ الْحال**: آسودہ حال، خوش حال